قرآن نے دو چار مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ غور وفکر کرنے، عقل وفکر کی قوتوں کو کام میں لانے اور انفس وآفاق اور آیاتِ قرآنی میں تدبر پر زور دیا ہے۔ (مثال کے طور پر دیکھیے: البقرہ ۲:۱۶۴؛ النسا ۴:۸۲؛ العنکبوت ۲۹:۲۰؛ الذاریت ۵۱:۲۰۔۲۱ ومقاماتِ عدیدہ) وہ اللہ کے بندوں کی ایک نہایت اہم صفت یہ بیان کرتا ہے کہ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ۔ (الفرقان ۲۵:۷۳) یہی نہیں بلکہ وہ عقل سے کام نہ لینے والوں کو بدترین خلائق قرار دیتا ہے۔ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ. الانفال ۸:۲۲) قوائے حسی کو مشاہدہ فطرت اور ذہنوں کو تدبر وتفکر کے لیے استعمال نہ کرنے والوں کو حیوانوں سے بھی بدتر اور جہنم کے سزاوار ٹھہراتا ہے (وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ الاعراف ۷:۱۷۹) تو کیا آیاتِ قرآنی میں تدبر کے ذریعے ہدایت ورہنمائی کا حصول صرف بزرگانِ سلف تک محدود ہے اور اخلاف کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں ان میں آزادانہ غور وفکر ممنوع ہے۔ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو متاخرین میں شاہ ولی اللہ، اقبال اور دیگر متعدد ناموراور عظیم مفکرین کا وجود ناپید ہوتا۔

آپ نے اپنے ناقد کے جواب میں درست فرمایا کہ یہ کہہ کر کہ عہدِ نبوی کے بعض یہود حضور کو بنی اسماعیل کا نبی مانتے تھے، آپ ان یہود کی کوئی خوبی اجاگر نہیں کر رہے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی حکتِ عملی کو کا یہ پہلو اجاگر کر رہے تھے کہ آپ نے حق بات کو اپنے مخاطبین تک پہنچانے اور ان پر اتمام حجت کرنے کا ایسا حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ یہود کے ایک گروہ کے لیے آپ کی صریح تکذیب ممکن نہ رہی۔ لیکن راقم کے خیال میں اگر آپ یہود کی کسی خوبی کو اجاگر کر دیتے تو یہ بات بھی قرآن کے خلاف نہ ہوتی، کیونکہ قرآن حکیم میں اس کی واضح بنیادیں موجود ہیں۔ درج ذیل آیات ملاحظہ کیجیے:

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ. (آل عمران ۳:۷۵) لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵:۸۲۔۸۳)

پہلی آیت میں اہل کتاب کے منفی رویے کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے بعض لوگوں کے دیانتداری پر مبنی رویے کی تعریف کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ ڈھیروں کی امانت میں بھی خیانت نہیں کریں گے اور دوسری آیات میں یہود اور مشرکین کی نسبت نصاری کے اہل اسلام سے قریب تر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں علما ومشائخ موجود ہیں جو تکبر نہیں کرتے اور جب رسول اللہ پر نازل ہونے والے کلام ربانی کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

قرآن کے نقطہ نظر سے بات بھی کسی طرح قرین انصاف نہیں کہ اہل اسلام تمام غیر مسلموں کو ایک ہی عینک سے

دیکھیں۔ انہیں قرآن کی ان آیات کو پیش نگار رکھنا چاہیے جن میں بے لاگ انصاف کا حکم دیا گیا اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ کسی قوم کی دشمنی انہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے۔ (مثلاً: المائدہ ۵:۸)

آپ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس دعوتی حکمتِ عملی کا تذکرہ فرمایا ہے وہ بلا شک وشبہ ہر زمانے کے داعیانِ اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔ لیکن جانے عصر حاضر کے زیر بحث قبیل کے جذباتی علمائے کرام اسلام کی بہی خواہی کے بلند بانگ دعاوی کے باوصف حضور کے اسوہ حسنہ کہ اس پہلو کو کیوں یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں! آج کے دور میں کوئی مسلمان اسلام کی تبلیغ اور اس کی انسانیت پسندی کے تعارف کے حوالے سے دیگر مذاہب کے لوگوں کی توجہ ان سے متعلق روادارانہ اور مثبت رویہ اپنائے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر مسلمان غیر مسلموں سے خوہ مخواہ کا تعصب برتیں گے تو ان کے حوالے سے یہ کہنا نہایت آسان ہوگا کہ وہ تمام غیر مسلموں کو اپنا دشمن خیال کرتے ہیں اور ان سے دشمنی اور مخالفت کے سوا کچھ توقع نہیں رکھتے اور اس چیز کا اسلام اور اس کی دعوت اور مسلمانوں کے حوالے سے ضرر رساں ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔

بعض یہود کی طرف سے حضور کو بنی اسماعیل کا نبی تسلیم کرنے کی تصویب کے ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ امر صرف عہدِ نبوی کے اہل کتاب تک محدود نہیں، عصر حاضر کے اہل کتاب میں سے بھی بعض نمایاں لوگ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں لیکن اہل عرب کے لیے۔ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا نام اسلام اور مستشرقین کے موضوع سے ادنی دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی اجنبی نہیں۔ انہوں نے Companion to the Quran کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن کے دیباچے میں لکھا ہے کہ گو میں ہمیشہ سے یہ سمجھتا تھا کہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] صدق دل سے اپنے اوپر وحی الہی کے قائل تھے، تاہم مجھے ایک عرصہ تک آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] کو پیغمبر تسلیم کرنے میں تامل رہا۔ اب البتہ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] عہد نامہ قدیم کے پیغمبروں کی طرح کے پیغمبر تھے۔ وہ مختلف قصصِ قرآنی کا قصصِ بائبل سے تقابل کر کے واضح کرتے ہیں کہ قصص قرآنی کو بائبل کی بعینہ نقل قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔ قصصِ بائبل اور قرآنی قصص میں اس نوعیت کا بنیادی اختلاف ہے کہ اس کی توجیہ بغیر اس کے کوئی نہیں ہو سکتی کہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] پر عہد نامہ عتیق کے انبیا کی مانند وحی آتی تھی۔ البتہ عہد نامہ قدیم کے پیغمبر اپنے اپنے ادوار کے مذاہب کو ہدف تنقید بناتے تھے اور محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کا مقصدِ بعثت ان لوگوں کو ایمان باللہ کی دعوت دینا تھا جو کسی بھی دین کو ماننے کے روادار نہ تھے۔ اس دیباچے میں منٹگمری واٹ نے مشہور مستشرق مترجم قرآن آرتھر جے آربری کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسٹر آربری بھی حضور پر وحی الہی کے قائل تھے۔ مسٹر واٹ لکھتے ہیں کہ آربری نے اپنا ترجمہ قرآن اس زمانے میں کیا جب وہ ذاتی نوعیت کے پریشانیوں اور مسائل سے دوچار تھے۔ ترجمہ کی تکمیل کے بعد انہیں سکونِ قلب اور اطمینان کی دولت میسر آئی جس پر انہوں شکریے کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ یہ شکر یہ وہ اس قوتِ مطلقہ کا ادا کر رہے ہیں جس نے نبی [صلی اللہ علیہ وسلم] پر وحی نازل فرمائی۔

ڈاکٹر محمد شہباز منج

شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

(۲)

محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امیر عبد القادر الجزائری کے بارے میں ''الشریعۃ'' اور ''ضرب مؤمن'' کے درمیان جاری مکالمہ بہت دلچسپی سے پڑھا۔ چند باتیں ذہن میں ہیں جو گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) مفتی ابولبابہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے آپ کی تائید کردہ کتاب سے لکھا ہے اور باحوالہ لکھا ہے، اس میں اس کا عورتوں کے ساتھ اختلاط، مہمانوں کو شیمپئین پیش کرنا، کفار سے بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنا، غیر اللہ کے نام کی قسمیں کھانا، بالفاظِ خود ''ایک بچے کی طرح'' اپنے آپ کو کفار کے حوالے کر دینا، یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمان سمجھنا، پردے کو محض عربوں کا رواج کہنا، ان کی خوشامد کر کے معافیاں مانگنا وغیرہ خود آپ کی پسند فرمودہ کتاب سے ثابت ہے۔ اب آپ یا تو اقرار کریں کہ امیر عبد القادر الجزائری واقعی اسی چال چلن کا آدمی تھا اور یا پھر تسلیم کریں کہ کائزر نے اس کے بارے میں غلط بیانی کی ہے، اس صورت میں آپ بھی تقریظ لکھنے کی بناء پر کائزر کی غلط بیانی میں شریک ٹھہرائے جائیں گے۔

(۲) آپ نے مفتی صاحب کے اعتراضات کا جواب دینے کی بجائے ان پر یہ الزام لگانے پر اکتفاء کیا ہے کہ ان کا لب ولہجہ ٹھیک نہیں ہے، ان کا انداز سخت ہے وغیرہ، اس کے جواب میں آپ اسی شمارے میں اپنے فرزند عمار خان ناصر کا شیخ اسامہ بن لادنؒ کے بارے میں لب ولہجہ ملاحظہ فرمالیں کہ دنیا سے رخصت ہو چکنے کے بعد شیخ کے بارے میں اس نوعیت کی الزام تراشی اور طعنہ بازی یہ کس قسم کی اخلاقیات ہے؟

(۳) آپ نے حضرت امامِ اہل سنتؒ کی ترجمانی کے مفتی صاحب کے دعویٰ کی سختی سے تردید کی ہے، اسے ناقابلِ برداشت بتایا ہے اور گمراہ کن قرار دیا ہے، عجیب بات ہے کہ جنہیں حضرت امامِ اہل سنتؒ کافر کہتے تھے، انہیں آپ مسلمان کہتے ہیں، جنہیں انہوں نے گمراہ قرار دیا انہیں آپ اہلِ علم میں شمار کرتے ہیں، جن نظریات کو انہوں نے بدعت وگمراہی سمجھا انہیں آپ ''تفرد'' خیال فرماتے ہیں، جن چیزوں کو وہ ''حرام'' کہتے تھے انہیں آپ ''ضروری'' قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ ان کے نہ صرف ترجمان ہیں بلکہ آپ کے انداز سے ہٹ کر ان کی ترجمانی کا دعویٰ کرنے والا ''گمراہ'' ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب عقائد ونظریات اور اصول فروع میں امام اہل سنتؒ سے اختلاف کے باوجود آپ ان کے ترجمان بلکہ جانشین ہیں تو محض لب ولہجہ کے اختلاف کے ساتھ مفتی صاحب کا امام اہلِ سنتؒ کی ترجمانی کا دعویٰ کیوں گمراہ کن اور ناقابلِ برداشت ہے؟ حضرت امام اہلِ سنتؒ کے ہزاروں شاگرد اس وقت موجود ہیں جو حضرت کے مسلکی تصلب اور ''قدامت پسندی'' کے گواہ ہیں، حضرتؒ کی اپنے ہر شاگرد، مرید اور ملنے والے کو ''اپنے اکابر کا دامن نہ چھوڑنا'' کی نصیحت آج بھی ان سب کو خون کے آنسو رلاتی ہے، ان سب حضرات کی موجودگی میں جناب عمار خان ناصر نے الشریعہ کے امامِ اہلِ سنت نمبر میں حضرت کے مسلک ومشرب کو جس بے دردی سے مسخ

کیا ہے وہ سب تحقیق ہے اور مفتی صاحب اگر حضرت امامِ اہلِ سنتؒ کے مؤقف کو ان کا مؤقف بتاتے ہیں تو یہ بات گمراہ کن اور نا قابلِ برداشت ہے؟

(۴) آپ نے اپنے طرزِ عمل کے حق میں حضرت امامِ اہلِ سنت اور دیگر اکابر کے متعدد حوالہ جات و واقعات پیش فرمائے ہیں، جب آپ اپنی مرضی کے خلاف حضرت امامِ اہلِ سنتؒ اور دیگر اکابر کے کسی بھی فیصلے کو قبول کرنا لازم نہیں سمجھتے تو اپنے حق میں ان کی عبارات کو پیش کرنے کا آپ کو کیا حق ہے؟ آپ نے ''علمی وفکری مسائل میں طرزِ عمل'' کے عنوان سے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امامِ اہلِ سنت کو بیشتر مسائل میں آپ سے اختلاف تھا اور وہ آپ کو سمجھانے کی کوشش بھی کرتے تھے، آپ کے مؤقف کو ناجائز اور آپ کے افعال کو بدعت تک کہتے تھے، جبکہ آپ اکثر اوقات ان کی بات نہیں مانتے تھے، اور اب ان باتوں سے اس طرح استدلال فرما رہے ہیں کہ ''کبھی ہلکی پھلکی گفتگو سے بات آگے نہیں بڑھی''۔ آپ ہی فرمائیں کہ وہ آپ کو منع کرتے تھے، سمجھاتے تھے، اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ کیا یہ آپ کی سعادت مندی کی نشانی ہے؟

(۵) اسی طرح آپ نے ''معاشرتی وسماجی تعلقات'' کے عنوان سے بھی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں جن میں بعض فرقوں سے تعلق رکھنے والے بعض افراد کے جنازے وغیرہ میں آپؒ کی شرکت کا ذکر ہے، جبکہ دیگر فرقوں مثلاً شیعہ وغیرہ سے تعلقات میں انتہائی شدت وسختی اختیار فرمانے کا کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بد دیانتی نہیں؟ اس عنوان کے تحت آپ نے مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور قاضی عصمت اللہ صاحب کے حوالے سے بھی بعض واقعات کا ذکر کیا ہے جبکہ خود حضرت شیخ کی تصریح کے مطابق یہ دونوں حضرات مماتی نہیں تھے، چنانچہ حضرت شیخ، ابو طاہر فتح خان صاحب کے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت قاضی نور محمد صاحب، حضرت قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع کا وہی عقیدہ تھا جو راقم کا ہے۔''

اور مماتیوں کے پیچھے نماز کے بارے میں فرماتے ہیں:

''راقم کا وہی جواب ہے جو دار العلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے، (کہ نماز مکروہ ہے) جو تسکین الصدور کی ابتداء میں درج ہے۔'' (مجلّہ المصطفیٰ امامِ اہلِ سنت نمبر ص ۴۴۷)

اہلِ بدعت کے بارے میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:

''ان لوگوں نے شرک کے ساتھ مساجد کو بھی پلید کر دیا ہے۔ ان کے عقائد خراب ہیں، ان کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی'' (ذخیرۃ الجنان ج ۱۳ ص ۲۷۵)

حضرت کی اس قسم کی بے شمار تحریرات و واقعات کو چھپانا اور اپنی مرضی کے واقعات بیان کرنا، کیا دیانت اسی کو کہتے ہیں؟

(۶) یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آپ ایک مخصوص طرزِ تکلم اور اندازِ بیان کو مکالمہ کے لیے لازم قرار دے کر اس سے انحراف کو بد تہذیبی قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں جبکہ عقائد ونظریات، مسائل ومعاملات، اور اصول وفروع میں ہر

شخص کو ہر بات کہنے کی آزادی دیتے ہیں اور اجماعی مسائل میں اختلاف کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ انتہائی ادب سے گذارش ہے کہ جب باقی تمام مسائل میں کوئی بھی شخص کوئی بھی رائے اختیار کر سکتا ہے تو اخلاق وتہذیب میں وہ کون سا فارمولا ہے جس پر ”اجماع“ منعقد ہو چکا ہے اور جس سے روگردانی قابلِ تعزیر جرم ہے؟ اگر قرآن پاک میں **فمثلہ کمثل الکلب، اؤلئک کالانعام بل ھم اضل، اؤلئک علیھم لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین، کمثل الحمار یحمل اسفارا**، اور حدیث شریف سے ”**امصص بظر اللات**“، **یا اخوة القردة والخنازیر** اور ابوالحکم کو ابوجہل کا نام دینا وغیرہ سے استدلال کر کے کوئی شخص اپنی تحریر میں کسی کو کتا، جانور، لعنتی، گدھا وغیرہ لکھے تو کس ”اجماعی“ دلیل سے وہ بدتہذیب کہلایا جائے گا؟

(۷) اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ امامِ اہلِ سنت کی نہ یہ زبان تھی جو مفتی صاحب نے اپنا رکھی ہے..... آپ کا یہ کہنا، کہ حضرت امامِ اہل سنت ہمیشہ نرم لب ولہجہ ہی اختیار کرتے تھے، درست نہیں۔ وہ جس طرح عموماً نرم اور دھیمے لہجے میں اپنا مؤقف سمجھاتے تھے، اسی طرح بوقت ضرورت ان کا لہجہ انتہائی تلخ اور شدید بھی ہو جاتا تھا، آپ خود ان کو پڑھیں تو انہوں نے بسا اوقات ”جنونی مولوی صاحب“ (مجلّہ صفدر امام اہل سنت نمبر ص ۷۵۶)، خمینی بھینگے نے... (ارشاد الشیعہ ص ۱۲۵) خمینی صاحب عقلی اندھے بھی ہیں (ایضاً ص ۱۳۱) افسوس ہے اس اسلام دشمنی اور عیسائیت پرستی پر (صرف ایک اسلام ص ۱۵) جن سیاہ بختوں کو... (ایضاً ص ۱۰۳) اپنی بدباطنی اور بری فطرت کا ثبوت دیا ہے.... (ایضاً ص ۱۴۱) برق صاحب نے شقاوتِ قلبی کا ثبوت دیا ہے... (ایضاً س ۱۷۶) خان صاحب کے تعصب و ہٹ دھرمی کا ثبوت.. (عباراتِ اکابر ص ۱۸) شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر کس دریدہ دہنی کا ثبوت خانصاحب نے دیا ہے.. (عبارات اکابر ص ۲۵) مجنونانہ بڑھ.. (ایضاً ص ۱۲۷) او بے حیا حکمرانو! تم سے زیادہ بے حیا اور بے غیرت کون ہے کہ ابھی تک ان کے دم چھلا بنے ہوئے ہو (ذخیرة الجنان ج ۱۳ ص ۱۵۰) وغیرہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں تو کیا کسی کو جنونی، بھینگا، اندھا، اسلام دشمن، عیسائیت پرست، سیاہ بخت، بدباطن، شقی القلب، متعصب، ہٹ دھرم، دریدہ دہن، مجنون، بے غیرت، بے حیا، وغیرہ کہنا جائز ہے اور امام اہل سنت کے کردار کے مطابق ہے؟ نہیں معلوم کہ اب آپ مفتی صاحب کو بدتہذیب قرار دینے سے رجوع کرتے ہیں یا حضرت امام اہل سنت پر بداخلاقی کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

(۸) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ کے مضامین کو ضربِ مؤمن میں شائع کرنا ضربِ مؤمن والوں کی اخلاقی ذمہ داری تھی اور انہیں شائع نہ کر کے گویا ضربِ مؤمن والوں نے صحافتی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ فی الواقع میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس قانونِ اخلاق کے تحت آپ کے مضامین وخیالات کو شائع کرنا ضربِ مؤمن والوں پر واجب ہے۔ ہر شخص اپنے مؤقف کو خود شائع کرتا ہے، آپ خود تو ”آزاد فورم“ کا دعویٰ کرنے کے باوجود مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب کا عمار خان ناصر صاحب کے جواب میں تحریر کیا گیا مضمون شائع کرنے کے بعد بھی اگلے ایڈیشن سے نکال دینے میں حق بجانب اور صحافتی اخلاقیات کے علمبردار ہیں جبکہ ضربِ مؤمن والے ”آزاد فورم“ کا دعویٰ نہ کرنے کے باوجود بھی آپ کے مضامین اپنے اخبار میں شائع کرنے کے پابند۔۔۔ آخر معاملہ کیا ہے؟

(۹) آپ نے مفتی صاحب کو یہ چیلنج بھی دیا ہے کہ وہ جس موضوع پر چاہیں آپ کے ساتھ مباحثہ کریں، لیکن اس کے لیے آپ نے شرط لگائی ہے کہ اگر یہ بحث ضربِ مؤمن یا اسلام کے صفحات پر ہونی ہے تو آپ کے مضامین بھی ان میں شائع کیے جائیں، بصورتِ دیگر یہ مباحثہ الشریعہ میں ہو، اس پر پیچ شرط کے پیچ وخم کھولے جائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''یا تو مفتی صاحب آپ کے مضامین بھی ''ضربِ مؤمن'' میں شائع کریں اور یا پھر اپنے مضامین بھی اس میں شائع نہ کریں'' کیا اس نرالی دیانت داری کی اس سے پہلے بھی کوئی مثال ملتی ہے؟ پہلے بھی ''الشریعہ'' کے مختلف جرائد ورسائل کے ساتھ مباحثے چلتے رہے ہیں، کیا ان کے لیے بھی یہ عجیب وغریب شرط عائد کی گئی ہے؟ اگر نہیں تو ''ضربِ مؤمن'' پر ہی یہ شفقت کیوں؟

(۱۰) آپ کا فرمان ہے کہ الجزائری کی سوانح کے دار الکتاب سے جبرا شائع کروائے جانے کے معاملے میں ضربِ مؤمن نے غلط بیانی کی تھی اور اس غلط بیانی پر ضربِ مؤمن کو معافی مانگنی چاہئے، بجا۔ لیکن آپ کی توجہ ایک اور معاملے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جناب عمار خان ناصر کے ایک مضمون کی بنیاد پر مولانا عبدالقیوم حقانی نے ان پر قادیانیت نوازی کا الزام لگایا اور انہیں اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، آپ نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے اسے ''دینی جدوجہد کی اخلاقیات'' کی خلاف ورزی قرار دیا، بلکہ ظلم کی انتہا کرتے ہوئے بعض ختمِ نبوت کے مرحوم اکابر بزرگوں کے ''دینی جد و جہد کی اخلاقیات'' سے عاری ہونے کے بھی کچھ واقعات ذکر کر دیئے۔ مگر الشریعہ مئی ۲۰۱۲ میں خاطرات کے عنوان سے جناب عمار خان ناصر نے خود اپنے قلم سے یہ اعتراف کر لیا کہ وہ در حقیقت اس سے پہلے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور اب انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جناب مولانا عبدالقیوم حقانی نے جب عمار خان ناصر پر تنقید کی تھی تب عمار خان ناصر واقعی قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور حقانی صاحب کی ان پر تنقید بالکل درست اور برمحل تھی، چاہئے تھا کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد آپ واضح الفاظ میں حقانی صاحب سے معذرت کرتے اور قارئین کو بتاتے کہ اس وقت عمار خان صاحب کو قادیانی نواز بتانے میں جناب حقانی صاحب بالکل برحق تھے اور آپ نے ان پر حقائق کو توڑنے موڑنے کا جو الزام لگایا تھا وہ غلط تھا، لیکن افسوس کہ آپ نے اس اہم معاملہ پر بالکل چپ سادھ لی گویا کچھ ہوا ہی نہیں اور پھر بھی آپ اب تک ساری دنیا کو تنگ نظر اور اخلاقیات سے عاری بتانے کی اسی پرانی روِش کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

(۱۱) امیر عبدالقادر الجزائری پر لگنے والے اخلاقی الزامات کی جناب عمار خان ناصر نے جو توجیہ کی ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ کی بعض خطاؤں پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کے باوجود ان کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح امیر عبدالقادر الجزائری کی غلطیوں سے بھی اس کی عظمت وشان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کاش کہ جناب عمار خان ناصر اپنی اس خداداد ذہانت ونکتہ آفرینی کو الجزائری کے دفاع میں تاویلیں تلاش کرنے کی بجائے حق بات کو سمجھنے کے لیے استعمال کرتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی اجتہادی خطا اور امیر عبدالقادر الجزائری کی غلطیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ سے جو خطا سرزد ہوئی وہ ان کی لاعلمی کی بنا پر تھی، الجزائری کے غیر محرم عورتوں کے ساتھ چہل قدمیاں کرنے، مہمانوں کو شیمپیئن